اسلام میں اجتہاد کی اہمیت اور افادیت

(مولینا) محمد مالک کاندھلوی

الحمدللہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوۃ والسلام علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین ۔

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ یاایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللہ و الرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر ذلک خیر و احسن تاویلا ۔ (سورۃ نساء)

صدق اللہ العظیم

مسئلہ اجتہاد اپنی علمی و فکری وسعتوں کے لحاظ سے اس مختصر مضمون میں پیش کیا جانا مشکل ہے ۔ تاہم اجمالی طور سے عرض کر دینا کافی سمجھتا ہوں ۔ انسانوں کی ہدایت اور دین و دنیا کی سعادت کے لیے خداوند عالم نے پیغمبر مبعوث فرمائے ۔ آسمانی صحیفے اور کتابیں نازل کی گئیں ۔ شریعتیں مقرر ہوئیں ۔ حضرت آدم علیہ السلام کو جو خلافت الٰہیہ عطا کی گئی تھی اس کی تکمیل کے لیے وحی الٰہی کے ذریعے انسانیت کی رہنمائی ہوتی رہی ۔ اسی مقصد ہدایت کے لیے حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام تک انبیاء دنیا میں آئے اور اللہ کی طرف سے کتابیں اور شریعتیں لائے ۔ لیکن یہ تمام پہلی شریعتیں صرف انھی انبیاء ، ان ہی کی قوموں اور ان ہی کے زمانوں تک کے واسطے

مخصوص ہوتی تھیں - ہر پیغمبر کی بعثت اپنی قوم کے لیے ہوتی رہی - اس کے برعکس آنحضرت سیدالانبیاء والمرسلین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ، آپ کی شریعت اور آپ پر نازل کیا ہوا قانون ہدایت یعنی قرآن کریم تمام عالم کے لیے ، تمام اقوام کے لیے ، دنیا کے ہر خطہ اور علاقہ کے لیے تھا - اور قیامت تک آنے والی نسلوں کے لیے اللہ رب العزت نے آپ کو ھادی بنا کر بھیجا - ظاہر ہے کہ اس لحاظ سے آپ کی شریعت اور دستور کو ایسا ہی جامع ہونا چاہیے تھا ، جو دنیا کی ہر قوم ، ہر خطہ اور ہر دور کے لیے کافی ہو اور اس کی رہنمائی سے قیامت تک آنے والی نسلیں سعادت و فلاح کی منزلیں طے کرتی رہیں -

گذشتہ شریعتوں میں ایسی جامعیت کی ضرورت نہ تھی کیونکہ ہر نبی کی شریعت اور پیغمبر کی بعثت و نبوت کے بعد دوسرے رسول کی بعثت مقدر تھی - مگر جب خاتم الانبیاء مبعوث ہوگئے جنھوں نے سلسلۂ نبوت کو ختم فرما دیا اور وہ قصر نبوت جس میں ایک پتھر کی کمی رہ گئی تھی اور آپ نے اپنی نبوت سے اس قصر نبوت کو مکمل فرما دیا ، تو ظاہر ہے کہ اب آئندہ نہ کسی وحی کا امکان رہا اور نہ کسی شریعت کی گنجائش رہی - بس آپ ہی کی شریعت آپ ہی کا دستور وہ ہوا جو قیامت تک کے واسطے طے ہوگیا - ہر زمانہ اور ہر قوم اور ہر خطۂ ارض کے لیے بس وہی کامل دستور حیات رہا -

اس مرحلہ پر یہ بات یقیناً ذہن میں رکھنی ہوگی کہ کتاب و سنت جو دین اسلام کا دستور ہے وہ بالیقین ایسے اصول اور کلیات کا حامل ہوگا جو تمام عالم کے لیے زندگی کے ہر شعبہ میں مکمل رہنما ہو سکے -

دنیا میں حالات بدلتے رہتے ہیں - ہر قوم کا مزاج مختلف ہوتا ہے - نئی نئی ضرورتیں اور جدید تقاضے بھی پیش آتے رہتے ہیں - ہر ہر واقعہ اور پیش آنے والی حاجتوں اور ضرورتوں کی صراحت کر کے قانونی دفعات کا مرتب کرنا نہ تو ممکن تھا اور نہ ہی مصلحت کے مطابق ہو سکتا تھا - اس وجہ سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اُمت کو ایسے جامع اصول اور ضوابط مل گئے جن کے ذریعے ہر جدید ضرورت کا حکم اور ہر قوم کی حاجت اور ہر خطے میں پیش آنے والے مسائل کا حل ہو سکتا ہے -

بالفرض اگر یہ ہوتا کہ حالات کی تبدیلی اور پیش آنے والے تقاضوں پر ہر قوم یا جماعت اپنی رائے اور غور و فکر کے ذریعے احکام اور قوانین مرتب کرنے لگتی تو دین اسلام کی نہ جامعیت باقی رہتی اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت باقی رہتی اور نہ اللہ رب العزت کے اس اعلان کی کوئی حقیقت باقی رہتی کہ : **"الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا"** بلکہ دین اسلام مدعیان عقل کی عقل و فکر اور اغراض و خواہشات کی ایک

جولانگاہ بن جاتا - اس وجہ سے یہ تو ممکن ہی نہ تھا کہ ہر دور اور قرن میں پیش آنے والے مسائل اور جدید تقاضوں کے لیے جدید سے جدید شریعتیں مرتب کی جاتی رہیں -

بس طے ہو چکا تھا کہ شریعت وہی رہے گی جو سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آ چکے ہیں - وہی قرآن رہے گا، وہی سنت و اسوۂ رسول رہے گا - اسی سے اور اسی کے اصول سے ہر پیش آنے والے مسئلے کا حل اور ہر قوم اور خطے کے دینی تقاضوں کو پورا کیا جائے گا - فقہاء اسلام کی اصطلاح میں اسی کا نام اجتہاد ہے کہ نئے نئے پیش آنے والے مسائل کا حل کتاب و سنت کے اصول سے نکالا جائے گا - یہ نہیں کہ بلا کسی بنیاد کوئی حکم ایسا تجویز کر دیا جائے جس کی اصل کتاب و سنت سے نہ ملتی ہو - اجتہاد احکام شرعیہ کے استنباط اور تخریج کا نام ہے - اجتہاد احکام کی تجویز کا نام نہیں ہے اور نہ مقرر کردہ اصول اور طے شدہ احکام میں ترمیم کا نام اجتہاد ہے - اگرچہ دنیا کے آئین اور قوانین میں ترمیم ہوتی رہتی ہے کیونکہ وہ انسانوں کا اپنی فکری صلاحیتوں سے مرتب کردہ قانون ہوتا ہے اور عقل انسانی تمام اطراف اور تمام احوال کا احاطہ نہیں کر سکتی - اس کے برخلاف قرآن کریم اللہ کی وہ جامع کتاب ہدایت ہے جو قیامت تک کے لیے نازل کی گئی - دنیا میں خواہ کتنے ہی انقلاب و تغیر واقع ہوں، خواہ طرح طرح کی ایجادات و ترقیات ہوتی رہیں لیکن کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصول ان سب پر حاوی، ان کا حل اور ان کا شرعی فیصلہ ہوں گے -

بہر کیف قیامت تک پیش آنے والے واقعات اگرچہ غیر محدود ہوں گے، مگر ان سب کا حل قرآن کریم کے اصول میں رکھا ہوا ہے - ایسے نئے نئے واقعات اور احوال کا حکم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے نکالنے کا نام اجتہاد و استنباط ہے - امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے - فرمایا: ''اللہ تعالی نے اپنی کتاب نازل فرمائی جس میں ہر چیز کا بیان ہے اور اس میں حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جگہ چھوڑ دی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی چیزیں بیان فرمائیں اور ان میں قیاس کے لیے جگہ باقی رکھی، تاکہ اجتہاد و استنباط کرنے والے کتاب و سنت کے اصول سے احکام مستنبط کریں''-

اجتہاد شریعت کا ایک اصطلاحی لفظ ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ عقل سلیم اور فہم صحیح کے ذریعے احکام شرعیہ ان دلائل و اصول سے معلوم کیے جائیں جو قرآن و حدیث سے مقرر کر دیے گئے ہیں - احکام شرعیہ نصوص کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گہرائیوں میں سے نکال لانے کا نام اجتہاد و استنباط ہوا، جیسے زمین کھود کر اس کی تہوں میں سے پانی نکال لیا جائے - قرآن حکیم اور ارشادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تہوں میں علوم و معارف کے ذخیرے چھپے ہوئے ہیں - آلات فکریہ سے ان علوم و معارف کو نکالنے کا نام اجتہاد ہوا -

اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ شانہ' نے سورۂ النساء کی اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے :

یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر ذالک خیر و احسن تأویلا (النساء)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اولوالامر یعنی فقہاء و علماء کی پیری کرو اور اگر تم کسی (ایسی) چیز میں نزاع و اختلاف کرو (جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں نہیں ہے) تو تم اس کو لوٹا دو ، اللہ اور اس کے رسول کی طرف ، یعنی کتاب و سنت کی طرف رجوع کرو ۔ اگر تم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو یہی بہتر طریقہ ہے اور اسی کا انجام اچھا ہے ۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں شریعت کے ادلۂ اربعہ کی طرف اشارہ ہے یعنی کتاب و سنت ، اجماع امت اور قیاس ۔ اطیعوا اللہ میں کتاب اللہ کا ذکر ہے اطیعوا الرسول میں سنت رسول اللہ کی طرف اشارہ ہے اور اولوالامر سے اجماع اُمت مراد ہے اور فان تنازعتم فی شئی میں قیاس کا ذکر ہے ، یعنی جس چیز کا حکم کتاب و سنت میں نہ ہو اور نہ اجماع اُمت سے اس کا حکم معلوم ہو تو ایسی صورت میں اس غیر منصوص حکم کو معلوم کرنے کے لیے کتاب و سنت کی طرف رجوع کرنا چاہیے ۔ رجوع کا مطلب یہ ہے کتاب و سنت میں اس کی نظائر تلاش کی جائیں اور اس کی علت میں غور و فکر کیا جائے جب اس درپیش مسئلہ کی نظیر کتاب و سنت میں مل جائے ، پھر علت میں شرکت بھی ہے اور مماثلت بھی پائی جا رہی ہے تو اس غیر منصوص میں وہی حکم جاری کر دو جو منصوص میں ہے ۔

اور '' فان تنازعتم'' میں تنازع سے مراد باہمی تنازعت اور خصومت و اختلاف نہیں کیونکہ اگر ایسی چیز ہو تو اس کے لیے تو سہل علاج یہ تھا کہ یہ فرما دیا جاتا کہ اس نزاع ہی کو ترک کر دو ۔ بلکہ یہاں تنازع سے مراد اصول شریعت اور دلائل کا باہمی تجاذب اور اختلاف ہے یعنی درپیش مسئلہ میں ایک دلیل اپنی طرف مسئلے کو کھینچ رہی ہے اور اس پر مرتب ہونے والا حکم اور ہے اور دوسری دلیل مسئلے کو اپنی طرف کھینچتی ہے جس پر حکم اس کے برعکس مرتب ہوتا ہے تو اس طرح دلائل کا تجاذب یہ تنازع ہے جس کو اس آیت میں بیان فرمایا جا رہا ہے تو ایسی صورت میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی طرف مسئلے کو لوٹایا جائے گا کہ جو دلائل کتاب و سنت سے زیادہ قریب ہیں ، اسی کو مجتہد اختیار کرتے ہوئے فیصلہ کرے گا ۔ اس موقع پر ہم قارئین کی خدمت میں ایک مثال پیش کر کے اس کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں ۔ وہ واقعہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خلافت پر فائز ہونے کے بعد مانعین زکٰوۃ کا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کی وفات کے بعد ایک گروہ نے زکوۃ ادا کرنے سے انکار کیا اور دعوی یہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو زکوۃ لینے کا حق نہیں ہے۔ صحیح بخاری اور مسلم کی روایت میں ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **" واللہ لاقاتلن من فرق بین الصلوۃ والزکوۃ "** یعنی خدا کی قسم میں ضرور ان لوگوں سے قتال کروں گا جو نماز اور زکوۃ میں فرق کرتے ہیں، کہ نماز کی فرضیت تو تسلیم کریں مگر زکوۃ کا انکار کریں۔ اس پر حضرت عمر فاروق کو اشکال ہوا اور فرمایا: **"کیف تقاتل الناس وقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أمرت ان اقاتل الناس حتی یشھدوا ان لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ فاذا قالوا ذلک فقد عصموا منی دماء ھم واموالھم الا بحق الاسلام وحسابھم علی اللہ"** کہ آپ کیونکر ان لوگوں سے قتال کریں گے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں کافروں سے اس وقت تک قتال کرتا رہوں جب تک کہ اس بات کی گواہی نہ دے لیں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اس کا رسول ہوں، اور جب یہ اقرار کر لیں تو یہ لوگ میری طرف سے اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کر لیں گے بجز حق اسلام کے، اور ان کا حساب اللہ کے حوالے ہوگا"۔ تو اس مسئلہ مانعین زکوۃ سے قتال میں عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس دلیل کی بناء پر اختلاف ہوا کہ یہ لوگ توحید و رسالت کا اقرار کرنے والے ہیں، پھر کیسے قتال کیا جا سکتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر دوسری دلیل پر تھی، وہ یہ کہ ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اگرچہ اقرار کر لینے والوں سے قتال روک دینے کو فرمایا گیا ہے اور جان و مال کا تحفظ ان کو دیا گیا لیکن اس تحفظ سے اسلام کا حق مستثنیٰ ہے، یعنی اگر حقوق اسلام میں کسی حق مثلاً قصاص یا رجم ہے، یا کسی کے مال کا تاوان عائد ہے تو ایسی صورت میں یہ تحفظ باقی نہ رہے گا۔ تو اس صورت سے ابتدا میں یہ اختلاف و تنازعت کی صورت پیدا ہوئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے کلمہ گو ہونے کی دلیل قتال سے روک رہی تھی اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ **" الا بحق الاسلام و حسابھم علی اللہ "** کے استثناء پر تھی یعنی اس قانونی اہم نقطہ پر تھی کہ تحفظ جان و مال سے ایسے لوگ مستثنیٰ ہیں لہٰذا ان سے قتال درست ہے۔ یہ نکتہ چونکہ اصل سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تائید و تقویت حاصل کر رہا تھا، جب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اس مؤقف پر پختگی کے ساتھ اس کا اعادہ فرمایا تو عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلب میں بھی اس نکتہ کی حقیقت واضح اور راسخ ہو گئی۔ چنانچہ فرمایا: **"حتی شرح اللہ صدری الذی شرح صدر ابی بکر للقتال فعرفت الی الحق"** کہ میں بار بار صدیق اکبر سے مراجعت کرتا رہا حتیٰ کہ اللہ نے میرا دل بھی اسی چیز کے لیے کھول دیا جس کے لیے صدیق اکبر کا دل کھولا تھا، اور میں نے سمجھ لیا کہ وہی حق ہے۔ تو اس مثال سے واضح ہو گیا کہ مجتہدین کا تنازعہ اس طرح

دلائل کے متجاذب ہونے کی بناء پر ہوتا ہے کہ ایک دلیل حکم کا ایک رخ بتاتی ہے تو دوسری دلیل حکم کا دوسرا رخ تجویز کر رہی ہے ۔

قرآن حکیم بار بار امم سابقہ اور معذبین اقوام کے حالات ذکر کر کے فرماتا ہے : **" فاعتبروا یا اولی الابصار"** یعنی عبرت حاصل کرو اے نگاہ والو ! مراد یہ ہے کہ سوچو جن پر عذاب خداوندی واقع ہوا ، اس کی علت کیا ہے ؟ ظاہر ہے وہ ان کی نافرمانی ہے ۔ بس سمجھ لو اگر تم نے بھی اسی طرح نافرمانی کی تو تم پر بھی ویسا ہی عذاب آئے گا ، یعنی جب علت مشترک ہے تو یقیناً حکم بھی دونوں جانبوں سے برابر ہوگا ۔ شیخ جلال الدین سیوطی نے اس آیت سے قیاس کی حجیت پر استدلال فرمایا ہے ۔ اور یہ کہ قیاس کی حقیقت یہ ہے کہ علت کی شرکت سے اصل کا حکم نظیر میں جاری کر دیا جائے ۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یمن کا گورنر اور قاضی بنا کر روانہ فرمایا تو دریافت فرمایا : ''تم فیصلے کس طرح کرو گے'' ؟ عرض کیا کتاب اللہ سے ۔ فرمایا اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ ، تو پھر کیا کرو گے ؟ عرض کیا پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے فیصلے کروں گا ۔ فرمایا ، اگر تم کو وہ چیز حدیث میں بھی نہ ملے ، تو پھر کیا کرو گے ؟ تو جواب دیا ، میں اپنی رائے اور اجتہاد سے استنباط کروں گا ، اور اس میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑوں گا ، یعنی محنت و کوشش سے اس واقعہ کا فیصلہ کتاب و سنت کے اصول و قوانین کے ماتحت کروں گا ۔ یہ نہیں کہ خود رائے سے جو دل میں آئے اس کو بطور فیصلہ نافذ کر دوں ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس جواب پر بہت خوش ہوئے اور فرط مسرت سے ان کے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا : ''خدا کا شکر ہے کہ اس نے اپنے رسول کے قاصد کو ایسی بات کی توفیق دی جس کو اللہ اور اس کا رسول پسند کرتا ہے ۔'' حافظ ابن قیم نے اپنی کتاب '' اعلام الموقعین'' میں اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے فرمایا : '' رائے اور قیاس کی دو قسمیں ہیں : ایک محمود اور دوسری مذموم ۔ محمود تو وہ ہے جو اصول و قواعد کے مطابق ہو ، اور اس کا ماخذ کتاب و سنت ہو اور جو رائے محض ظن اور تخمین پر مبنی ہو ، کتاب و سنت کی رعایت نہ ہو تو وہ رائے مذموم ہے ۔'' حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ کی اس موضوع پر ایک مستقل کتاب '' القیاس فی الشرع الاسلامی'' ہے ۔ اس میں بھی موصوف نے قیاس کی دو قسمیں فرمائیں ۔ ایک قیاس صحیح اور دوسرے قیاس فاسد ۔ اور قیاس فاسد کی مثال میں فرمایا ''مشرکین کا یہ قیاس ہے کہ ' انما البیع مثل الربٰو ' کہ بیع بس ربا کی ہی طرح ہے" کیونکہ یہ منصوص کے خلاف ہے ۔

الغرض اجتہاد جس کی بنیاد کتاب و سنت ہو اور اصول شریعت ہوں وہ معتبر اور حجت ہے ۔ اور جو فتویٰ قیاس شرعی کی رو سے دیا جائے گا ، وہ شرعی فیصلہ ہوگا ، اور اس کا اتباع شریعت ہی کا اتباع کہا جائے گا ، جیسے کسی عدالت سے

قانونی نظائر اور شواہد کی بناء پر جاری شدہ حکم حکومت ہی کا فیصلہ شمار کیا جاتا ہے - اسی بنا پر تمام فقہاء اور اصولیین یہ فرمایا کرتے ہیں : قیاس مثبت حکم نہیں بلکہ مظہر حکم ہے - قاضی ابن رشد اندلسی جن کو یورپ والے مسلمانوں کا سب سے بڑا فلسفی خیال کرتے ہیں اور انہوں نے امام غزالی کی کتابوں پر فلسفیانہ اصول سے جرح بھی کی ہے ، ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ ''خدائے برحق نے ہم کو اپنی سچی کتاب میں جا بجا قیاس اور استدلال کا حکم اور اس کے طریقہ پر توجہ دلائی اور ہر چیز کو عقل سے دریافت کرنے کے لیے آمادہ کیا - مگر یہ بات ظاہر ہے کہ عقل ایک بینا آنکھ کی طرح ہے - اور ہر بینا آنکھ اپنے نور بصیرت اور قوت بینائی کے ساتھ باہر کے نور کی بھی محتاج ہے - اگر باہر کا نور نہ ہو تو بینا آنکھ کچھ نہیں دیکھ سکتی - بالکل اسی طرح یہ حقیقت ہے کہ انسانی عقل اجتہاد و استنباط کے میدان میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے دلائل اور اصول کی راہنمائی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتی -''[1]

امام ربانی شیخ مجدد الف ثانی اپنے مکتوب نمبر ۵۵ ، دفتر دوئم میں تحریر فرماتے ہیں :

'' قرآن کریم تمام احکام شرعیہ بلکہ گذشتہ تمام شریعتوں کا مجموعہ ہے اور جملہ مسائل کو جامع ہے - احکام شریعت پر نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شریعت میں بعض احکام اس قسم کے ہیں جو نص کی واضح عبارت یا اشارہ اور دلالت سے مفہوم ہوتے ہیں ، یا وہ مجمل ہوتے ہیں کہ بغیر بیان کے مفہوم نہیں ہو سکتے - اول قسم کے احکام کے فہم میں عوام و خواص ، بشرطیکہ وہ اہل لغت اور اہل لسان ہوں یعنی عربی لغت سے واقف اور عربی اسلوب زبان کے ماہر ہوں سب برابر ہیں - دوسری قسم کے احکام وہ ہیں جو الفاظ کی دلالت اور اشارات و لوازم تعبیر سے مفہوم ہوتے ہیں - تو ان کے سمجھنے کے لیے اجتہاد و استنباط کی ضرورت ہوتی ہے تو یہ ائمہ مجتہدین کے ساتھ مخصوص ہے - احکام کی تیسری قسم جو مجمل ہیں ان کا فہم اور ان پر عمل بغیر شرح و بیان کے ممکن نہیں تو ان کی توضیح و تشریح وحی الٰہی نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے کی ، کیونکہ ان پر مطلع ہونے کا ذریعہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کے بغیر ممکن نہیں تھا - تو قسم دوئم کے احکام اجتہادی ہوئے کہ ان کو قیاس شرعی کے ذریعے سے معلوم کیا گیا اور قسم سوئم کے احکام سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مصداق ہیں - جس کا حاصل یہ ہے کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب اللہ کے احکام کو ظاہر کیا اس طرح اجتہاد بھی احکام شرعیہ کو ظاہر کرتا ہے - گویا سنت اور قیاس دونوں مظہر احکام خداوندی ہوئے - یہ درست ہے کہ ان دونوں میں عظیم فرق ہے - سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ عطا الٰہی ہے اس لیے

۱ - فلسفہ ابن رشد مطبوعہ مصر ، ص ۴ -

خطا اور چوک کا امکان نہیں ۔ برخلاف اجتہاد کے کہ اس میں صاحب اجتہاد کی رائے اور قوت فکریہ کو دخل ہوتا ہے اس لیے اس میں خطاء کا احتمال ہے ۔ ائمہ متکلمین میں سے ایک جلیل القدر محقق علامہ علاء الدین طوسی (۸۸۷ھ) نے سلطان محمد فاتح کے حکم سے جو کتاب حکماء کے رد میں لکھی تھی ، اس کے مقدمہ میں یہ بتلایا ہے کہ ''بہاری عقل بہت سی اشیاء کی حقیقت دریافت کرنے سے قاصر رہتی ہے بلکہ بڑے بڑے حکماء محسوسات کی ماہیت معلوم کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں ۔ تو ہم کو چند ایسے امور کے تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہ ہونا چاہیے جن کی باریکیوں کو اگرچہ ہم نے خود نہیں سمجھا مگر خدا کے اس رسولؐ نے ہم کو ان کی خبر دی جن کی صداقت پر سینکڑوں آیات بینات گواہی دے رہی ہیں ۔ کیا ہماری آنکھوں نے ان تمام چیزوں کو دیکھ لیا ، جن کو دیکھ سکتی ہیں ، یا ہمارے کانوں نے ان تمام آوازوں کو سن لیا جن کو وہ سن سکتے ہیں ، یا ہمارے ہاتھوں نے ان تمام چیزوں کو چھو لیا جن کو وہ چھو سکتے ہیں ۔ یا ہماری زبان نے ان تمام الفاظ کو ادا کر دیا ہے جن کو ہم ادا کر سکتے تھے ؟ الغرض جب ہمارے ان حواس اور ان قوتوں نے اپنے مقدورات کا پورا پورا احاطہ نہیں کیا ، تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہماری عقلی قوت کو اپنی ساری معلومات پر کامل تصرف اور قبضہ حاصل ہو جائے ، یہاں تک کہ وہ ذات و صفات خداوندی اور اس کے احکام میں بھی تصرف کرنے لگے ۔''

اس بناء پر یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ اجتہاد و استنباط کے میدان میں تنہا عقل ہی مسائل دین حل اور طے کر سکے گی ۔ اگر اجتہاد یعنی قوت عقلیہ و فکریہ کے استعمال میں اصول شریعت کو نظر انداز کر دیا گیا تو پھر یہ تو احکام شریعت میں اجتہاد ہونے کے بجائے اسلام کے ساتھ جہاد ہو جائے گا ۔

حضرات فقہاء اصول قرآن و حدیث ہی سے مسائل کا فیصلہ فرمایا کرتے تھے ۔ امام ابو حنیفہ ایک روز اعمش کی مجلس میں حاضر تھے ، کسی نے کچھ مسائل دریافت کیے ۔ اعمش نے ابو حنیفہ سے کہا تمہاری ان مسائل میں کیا رائے ہے ۔ امام ابو حنیفہ نے ان سب مسائل کے جواب بتائے ، تو اعمش نے پوچھا تم نے یہ فیصلے اور احکام کہاں سے لیے ۔ ابو حنیفہ نے جواب دیا : '' فلاں فلاں حدیث کی رو سے جو آپ نے مجھ سے روایت کی ہے ، میں نے ان مسائل کا حل ان کے ذریعے کیا ہے ۔'' اعمش نے اس جواب پر خوش ہو کر کہا : ''یا معشرالفقہاء انتم الاطباء و نحن الصیادلہ'' کہ گروہ فقہاء حقیقت میں آپ ہی لوگ اطباء ہیں ، اور ہم محدثین تو بمنزلہ عطار یعنی دواؤں کا ذخیرہ رکھنے والوں کی طرح ہیں ۔''

حضرات قارئین ! موضوع کی اہمیت تو چاہتی ہے کہ اس کے پہلوؤں پر مزید بسیط و تفصیل سے کچھ کلام کیا جائے ، لیکن میں جگہ کی تنگی کے باعث اس رخ کو سمیٹتے ہوئے اب اختصار کے ساتھ شرائط اجتہاد و استنباط کے بارے میں چند

کلمات عرض کرنا چاہتا ہوں تا کہ اجتہاد کے بیان کردہ مفہوم کے ساتھ اس کے شرائط کا بھی اندازہ ہو جائے۔

فقہاء اسلام نے شرائط اجتہاد میں سب سے اول شرط بیان کی ہے کہ صاحب اجتہاد علوم عربیت یعنی لغت صرف و نحو اور فن بلاغت کا ماہر ہو کیونکہ قرآن و حدیث عربی ہے اور جب تک آدمی عربی زبان سے واقف نہ ہو، اسلوب زبان اور اصول صرف و نحو کا ماہر نہ ہو تو وہ اصل کلام کی مراد ہی سمجھنے سے قاصر رہے گا، چہ جائے کہ وہ اجتہاد و استنباط کے مراحل طے کرنے لگے۔ فن طب اور ڈاکٹری میں وہی شخص دخل دے سکتا ہے جو اس فن کے اصول اور اس کے تمام متعلقات کی پوری بصیرت رکھتا ہو۔ یہ بات ناقابل تصور ہوگی کہ اس فن کو باقاعدہ حاصل کیے بغیر کوئی شخص کسی ترجمہ میں چند دواؤں کا ذکر اور ان کے خواص دیکھ کر مریضوں کا علاج اور ان کے طبی مسائل کا حل اور فیصلے کرنے لگے۔ کلام عربی کی دلالت ظاہر ہے کہ ان تمام علوم میں مہارت کے بغیر نہیں سمجھی جا سکتی۔ اور جس شخص نے اصل قواعد کی مراد ہی براہ راست نہیں معلوم کی وہ ان قواعد سے احکام کیسے مستنبط کرے گا۔

دوسری شرط کتاب اللہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اقوال صحابہ و تابعین پر پوری طرح مطلع ہونا ہے حتی کہ آیات قرآنیہ کی قراءات متواترہ اور شاذہ اور روایات و احادیث کی سندوں کی صحت و فساد اور صحت و عدم صحت کا علم رکھتا ہو۔ اس کے ساتھ اس کو راویان حدیث کے ثقہ ہونے کا بھی علم ہو، اس لیے کہ احادیث کی سندوں کا دارو مدار راویان حدیث کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے ہی پر ہے۔ پھر صحابہ اور تابعین کے اقوال پر بھی عبور اس لیے ضروری ہے کہ یہی حضرات کتاب و سنت کے سب سے پہلے مخاطب ہیں۔ تو ان کا فہم، ان کا بیان و تشریح اور ان کا تعامل احکام شریعت میں بنیاد کا درجہ رکھتا ہے۔ ان کی تشریحات و تحقیقات ہی سے کتاب و سنت کی مراد واضح ہو سکے گی۔ ان کے تعامل ہی کو طریقہ عمل اور شارع کی غرض سمجھا جائے گا۔ اس وجہ سے درپیش مسائل کا حل اور ان کا شرعی فیصلہ ان چیزوں میں مہارت کے بغیر ممکن نہیں ہو سکتا۔

تیسری شرط فہم و فراست اور علوم قرآن و حدیث میں ذہانت و ذکاوت حاصل ہونا ہے، کیونکہ بسا اوقات انسان باوجود اہل لسان ہونے کے بھی کلام کے اسرار اور نکات اور اغراض و مقاصد پر بغیر قرآنی فہم اور علوم الہیہ میں بصیرت کے مطلع نہیں ہو سکتا۔ ہم دن رات اس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ ہمارے کلام کی اصل مراد ہمارے وہ بہت سے مخاطب نہیں سمجھ سکتے جو ذکات اور تدبر کا وصف نہ رکھتے ہوں۔ تو ظاہر ہے کہ بغیر اس وصف کے قرآنی اصول اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دلائل سے کوئی شخص مسائل کا حل اور فیصلے کیسے کر سکتا ہے؟

چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ شخص صاحب تقویٰ ہو ۔ نفس کے تقاضوں اور اغراض و خواہشات کے متأثر ہونے کا اس کے متعلق احتمال نہ ہو ، کیونکہ بغیر تقویٰ اور قلب کی طہارت کے وہ مسائل کے حل میں اپنی فکری صلاحیتوں کو صحیح رخ کی طرف متوجہ نہیں کر سکے گا ۔ اسی طرح صاحب غرض اور خواہشات نفس میں پڑنے والا انسان ہر بات میں اپنی اغراض و خواہشات اور اپنے خیالات ہی کی تکمیل کا ارادہ کرے گا ۔ اس عیب کے باعث تو انسان اصل شریعت ہی کو مسخ کر دیتا ہے جس کی مثال بنی اسرائیل کی وہ تمام ملحدانہ اور تحریف دین کی حرکتیں ہیں جن کو قرآن کریم نے بڑی وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ۔ مسائل کا حل وہی شخص صحیح کر سکے گا جو ایمان و تقویٰ سے متصف اور ذاتی اغراض اور نفس کی خواہشات سے پاک ہو ۔ ورنہ تو وہ اصل احکام ہی کو اپنی خواہشات کے لیے آلہ کار بنانے لگے گا ۔

پانچویں شرط : اجتہاد و استنباط کے طریقوں اور ان کے اقسام اور شرائط استنباط اور اس کی صحت و فساد سے بھی واقف ہونا ضروری ہے ۔ چونکہ اجتہاد و استنباط احکام کتاب و سنت سے ہوتا ہے ، اس لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن و حدیث کے عبارتی انواع و اقسام کا ماہر ہو اور سمجھ سکتا ہو کہ اس میں کونسی آیت نص ہے ، کون سی ظاہر ہے اور کونسی مجمل ہے اور کون سی مفسر ہے ۔ کون سی محکم اور کونسی متشابہ ہے ۔ ان سب تعبیرات کے انداز اور طرز کو جاننا اس لیے ضروری ہے کہ درپیش مسائل کے حل کے لیے ان تمام امور کو ملحوظ رکھے ۔ یقیناً اس کے بغیر کوئی فقیہ صحیح شرعی فیصلہ ہی نہیں کر سکتا ، کیونکہ ہر طرز تعبیر سے ثابت ہونے والے احکام کی نوعیت جدا ہوتی ہے ۔ یہ تمام تفصیلات اصول فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں ۔ اس مختصر بیان میں ان کی وضاحت مشکل ہے ۔

بہر حال اجتہاد کے لیے پانچ بنیادی شرائط ہیں ۔ پھر ان شرائط کی پوری رعایت کے بعد یہ دیکھا جائے گا کہ صاحب اجتہاد کے فیصلہ سے شریعت کے طے کردہ اصول میں سے کسی کا رد تو لازم نہیں آتا ۔ یا یہ فیصلہ کسی آیت قرآنیہ یا حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منافی تو نہیں ہے ، یا اس سے دین کے اغراض و مقاصد پر کوئی زد تو نہیں پڑتی ۔ یا یہ صحابہ کے تعامل اور فقہاء امت کے اجماع کے تو خلاف نہیں ۔ اگر درپیش مسائل کا ایسا کوئی حل سامنے آئے کہ اس سے شریعت کے اصول پامال ہوتے ہیں ، یا وہ صریح قرآنی اور حدیث نبوی کے خلاف ہے ، یا اس سے شریعت کے اغراض و مقاصد فوت ہوتے ہیں ، یا صحابہ کا تعامل اس کے خلاف یا فقہاء اُمت کا اجماع اس کے خلاف ہے تو اس طرح کا اجتہاد مسائل کا شرعی حل نہ ہوگا ، بلکہ دین کی تحریف اور اس کا مسخ کرنا ہوگا ۔ اور ایسے اجتہاد سے دین کی عظمت و افادیت اور جامعیت کے برعکس دین کی بیخ کنی ہوگی اور ایک نئی شریعت کی تدوین ہوگی ۔

الحمدللہ کتاب و سنت میں ایسے جامع اصول موجود ہیں کہ قیامت تک پیش آنے والے ہر مسئلہ کا حل ان سے نکل سکتا ہے ۔ اگر ہم چاہیں تو بغیر کسی مجبوری اور پریشانی کے قرآنی ہدایات اور سنت نبوی کی روشنی میں ہر مشکل سے مشکل مسئلہ حل کر سکتے ہیں ۔ سطحی طور پر بعض واقعات اور مسائل کی الجھن محسوس کرتے ہوئے ایسا کوئی فیصلہ کر دینا جس سے اغراض دین پر زد پڑے یا نصوص شریعت کا ابطال لازم آئے ، درست نہیں ہے ۔ شریعت کے اصول میں لچک کا تصور تحریف دین کا دروازہ کھولتا ہے ، اس لیے اس کے بجائے درپیش الجھن اور مشکل کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے ۔ اس سے بچنے کے لیے شریعت کے قانون سے ذرہ برابر انحراف ہرگز گوارا نہ کیا جائے ۔

شریعت کے اصول ایک ہموار سطح ہیں ۔ اگر ہمارے مسائل کی ناہمواری ان اصول پر ان کو منطبق نہیں ہونے دیتی تو بجائے قوانین شریعت میں کھود کرید کرنے کے خود ان مسائل کی سطح ہی کو درست اور ہموار کرنا چاہیے ۔ الغرض دین کی بنیاد نصوص شریعت ہیں ۔ قیاس و اجتہاد ان کے تابع ہوگا ، نہ یہ کہ اجتہاد سے ان میں کوئی تبدیلی کی جائے ۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جو فقہاء اُمت کے امام اور مقتدیٰ و پیشوا ہیں ، اور اجتہاد قیاس کے ذریعے انھوں نے کتاب و سنت سے ہزاروں مسائل و احکام مستنبط فرمائے ، لیکن کسی بھی اجتہاد سے انھوں نے کسی حدیث کے خلاف یا اس سے مختلف فیصلہ نہیں فرمایا ، بلکہ اس سے مواقع وہ ہیں ان کے قیاسی ، اصول اور اجتہاد سے تو ایسا حکم ثابت ہونا چاہیے تھا کہ جو حدیث کے خلاف ہو ۔ مگر انھوں نے اپنا قیاس ہی ترک کر دیا اور حدیث پر عمل لایا ، مثلاً روزہ کی حقیقت کھانے پینے سے پرہیز کرنا ہے ، صبح صادق سے غروب تک ۔ روزہ کی یہ حقیقت از روئے اجتہاد اس امر کو چاہتی ہے کہ کوئی شخص خواہ قصداً یا ارادتاً کھانے پینے یا بھول کر ، دونوں حالتوں میں روزہ کی حقیقت باطل ہو جانی چاہیے مگر اس وجہ سے کہ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات وارد ہو چکی ، بھول کر کھانے والے کا روزہ برقرار رہے گا ، اس کو تو اللہ نے کھلایا اور پلایا ہے ، تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قیاس کو ترک فرما کر حدیث ہی کے مطابق قول اختیار کیا کہ ایسے شخص کا روزہ فاسد نہ ہوگا ۔ پھر یہ کہ نسیان اور خطا میں فرق تھا ، اس وجہ سے اس حکم کو صرف نسیان تک محدود رکھا ، خطا میں یہ حکم نہیں فرمایا ۔ فکری اجتہاد اور استدلال عقلی سے کسی بھی فقیہ اور امام نے شریعت کے مقررکردہ احکام میں کبھی کوئی ترمیم نہیں کی ۔ اور جن لوگوں نے طرز اختیار کیا وہ اتباع سنت سے محروم ہوئے ۔ شریعت کے اصول اور بنیادی نظریات کے خلاف اپنے فکری نظریات کو دین بنایا ۔ اور اس طرح شریعت کو بھی بگاڑا اور خود بھی صراط مستقیم سے بھٹک گئے ۔ قدیم تاریخ سے اس قسم کی مثال فرقۂ معتزلہ کی ملتی ہے ۔ انھوں نے عقلی استدلالات کو نصوص پر فوقیت دی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دین کے بہت سے اصول ٹھکرا دیے ۔ احادیث

کا ترک لازم ہیں - مسائل اعتقادیہ میں کتاب و سنت سے طے شدہ اصول کے منکر ہوئے - اسی طرح ایک فرقہ مرتد بھی عقلیت کے فریب میں مبتلا ہوکر گمراہ ہوا - فرقہ جہمیہ بھی اسی علت کے باعث اصول دین کا منکر ہوا - مجسمیہ نے غلو کیا تو حق تعالیٰ کے لیے جسمانیت کو ثابت کر ڈالا - ان کے بالمقابل معطلہ فرقہ نے منطقی دلائل کی رو میں بہہ کر صفات خداوندی ہی کا انکار کر دیا - یہ سب فرقے عقل کے فریب خوردہ تھے جنھوں نے اپنے اپنے رنگ میں اپنے اجتہادات سے بہت سے احکام شریعت کا انکار کیا - بہت سے دین کے اصول و مسلمات کو رد کرایا -

بہت سی حدیثوں اور ارشادات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف ورزی ہوئی - اور پھر خود ایسے نظری اور استدلالی الجھنوں میں پھنسے کہ نکلنے کا کوئی راستہ باقی نہ رہا - ان تفصیلات کے لیے ابن حزم کی الملل و النحل کے قاضی عضدالدین کی شرح مواقف اور امام الحرمین کی کتاب اشارات الحرام شیخ ابو منصور ماتریدی اور ابوالحسن اشعری کے اصول ملاحظہ فرمائے جائیں -

قیاس کی صحت و فساد کے اصول فخر الاسلام بزدوی نے اپنی کتاب اصول بزدوی میں بیان کر دیے ہیں -

تاریخ کے اس قدیم دور کے باعقل اجتہادی غلطیوں کا ایک دور بعد کی تاریخ میں دور اکبری ملتا ہے - یہاں بھی کچھ مدعیان فکر نے اپنی اجتہادی صلاحیتوں کو ایک نیا دین تیار کرنے کے لیے صرف کیا - تاریخ کے قدیم اور جدید کے ہر دو ادوار نے یہ واضح کر دیا کہ اجتہاد کا رخ جب بھی محض قوائے فکریہ کی طرف ہوا تو اس اجتہاد نے ان کو صراط مستقیم سے بھٹکا کر گمراہی کی دلدل میں پھنسا دیا - شریعت نے اجتہاد کو مسائل اور شرعی مشکلات کا حل بے شک بنایا ہے ، لیکن وہ اجتہاد جو اجتہاد کی صلاحیت رکھنے والوں کا ہو ، وہ اجتہاد جو اصول و قواعد کے مطابق ہو ، وہ اجتہاد جو کتاب و سنت کی روشنی میں ہو -

ایسے صالح اور درست اجتہاد سے آج ہم اپنے تمام درپیش مسائل حل کر سکتے ہیں - اس کے ذریعہ ہمارا معاشی ، اقتصادی اور عدالتی نظام اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق اور مقاصد شریعت کا محافظ ہو سکتا ہے -

حق تعالیٰ ہمیں اپنی توفیق و تائید سے سرفراز فرمائے !

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆ ☆ ☆